© rasailojaraid.com

آتاہے اس استعمال کی صرف ایک مثال آگے چل کر (طٰہٰ : ۱۵) آئے گی۔

[اَلْبَرْقُ] کے مادہ اور معنی (بجلی کی چمک) وغیرہ پر ابھی اوپر [۲ : ۱۴ : ۱ (۵)] میں بات ہو چکی ہے ۔

۲ : ۱۵ : ۱ (۲) [یَخْطَفُ] کا مادہ "خ ط ف" اور وزن "یَفْعَلُ" ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "خطِف ..... یَخطَف خَطْفاً" (باب سمع سے) اور "خطَف ...... یخطِف خَطفا" (باب ضرب سے) بھی آتا ہے اور شاذ "خطَف یخطُف" (باب نصر سے) بھی آتا ہے اور تینوں کے ایک مشترک معنی "......کو اچک لینا، ......کو جھپٹ لینا، ......کو چھین لینا" ہوتے ہیں تاہم باب "نصر" والے استعمال کو متروک اور ردّی لغت سمجھا جاتا ہے[1] بلکہ بہت سی کتب لغت میں تو یہ باب (نصر) بیان ہی نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم میں یہ فعل ثلاثی مجرد صرف باب سمِعَ سے ہی استعمال ہوا ہے اور اس (فعل مجرد) سے ماضی مضارع کے صرف تین ہی صیغے آئے ہیں اور مزید فیہ کے باب "تفعّل" سے بھی صرف فعل مضارع کے ہی تین صیغے وارد ہوئے ہیں ۔

● یہ لفظ "یخطَف" ثلاثی مجرد کا فعل مضارع (صیغہ واحد غائب مذکر) ہے جس کا اردو ترجمہ "یَکادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ" کے ساتھ مل کر ہو گا (جیسا کہ ابھی اوپر "کاد" کے طریق استعمال میں بیان ہوا ہے) بیشتر اردو مترجمین نے فعل "خطف" کا ترجمہ "اچک لینا" سے کیا ہے اور "کاد" کے ترجمہ میں "قریب ہے کہ" کو ترجیح دی ہے ۔ اور یوں اس (یکاد البرق یخطف) کا سلیس ترجمہ "قریب ہے کہ بجلی اچک لے جائے" سے کیا ہے بعض نے صرف "اچک لے" پر اکتفاء کیا ہے۔ بعض نے "بجلی یوں لگتی ہے کہ اچک لے جائے گی" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے جو ذرا زیادہ با محاورہ ہے ۔ اور بعض نے "برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے ابھی اس نے ..... لی" ۔ جو

---

[1] دیکھئے "مختار الصحاح (طبع دار المعارف) تحت مادہ "خطف"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بامحاورہ بھی مگر ذرا "بھاری بھرکم" ترجمہ ہے۔ اور لفظی سے زیادہ تفسیری معلوم ہوتا ہے۔

[اَبْصَارَهُمْ] یہ لفظ "ابصارٌ" + "ھم" تو ضمیر مجرور بمعنی "ان کی" ہے) کا مادہ "ب ص ر" اور وزن "اَفْعَالٌ" ہے اور یہ جمع مکسر ہے جس کا مفرد (واحد) "بَصَرٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل وغیرہ بلکہ خود لفظ "ابصار" پر مفصّل بحث البقرہ: ۷ [۲:۶:۱(۴)] میں گزر چکی ہے۔ یہاں لفظ "ابصار" کا ترجمہ بعض نے تو صرف "آنکھیں" ہی کیا ہے اور بعض نے اصل معنیٔ مراد (یا محاورہ) کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ "بینائی" بعض نے "نگاہوں"، بعض نے "بصارت" کیا ہے۔ جو سب ہم معنی ہی ہیں۔

۲:۱۵:۱(۳) **[كُلَّمَا]** یہ "كُلّ" بمعنی "سب" اور "ما" ظرفیہ بمعنی "جیسا کہ" کا مرکب ہے اور یہ پورا ایک لفظ شمار ہوتا ہے (اور اسی لیے ملا کر ہی لکھا جاتا ہے) اس میں "كُلّ" کی وجہ سے "عموم" اور "ما" کی وجہ سے "تکرار" کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور اس کا اردو ترجمہ "جب کبھی بھی" یا "جب بھی" سے کیا جاتا ہے۔ اور یہ ہمیشہ "کلمۂ شرط" کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ (كُلَّمَا) قرآن کریم میں کل ۱۷ جگہ آیا ہے۔ اس کے ابتدائی جزء (كُلّ) کے مادہ وغیرہ پر ابھی آگے اسی آیت کے آخر پر ۲:۱۵:۱(۱۹) میں بات ہوگی۔

[اَضَاءَ] کا مادہ "ض و ء" اور وزن اصلی "اَفْعَلَ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "اَضْوَأَ" تھی۔ جس میں "واو" (حرفِ علّت) کی حرکتِ فتحہ (ـَ) اس کے ماقبل ساکن حرف صحیح (ض) کو دے کر خود اس "و" کو اپنے ماقبل کی حرکت (ـَ) کے موافق حرف (الف) میں بدل دیا جاتا ہے اور یوں یہ کلمہ "اضاء" کی صورت میں لکھا اور بولا جاتا ہے۔ "اضاءَ" بابِ افعال سے فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کا ترجمہ "اس نے روشنی دی" ہے مگر اس کا ترجمہ "کلما" کے معنیٔ شرط کی بنا پر فعل ماضی کی بجائے فعل حال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ـــ اور " بجلی " کے اردو میں مؤنث ہونے کی وجہ سے مؤنث فعل کے ساتھ ـــ کیا گیا ہے یعنی " روشنی دیتی ہے " ، " چمکتی ہے " کی صورت میں ۔ اگرچہ بعض حضرات نے اصل فعل کے ماضی ہونے کی بناء پر ماضی ہی کے ساتھ یعنی " چمکی "، " چمک ہوئی " ، کی صورت میں بھی ترجمہ کیا ہے ۔ اور یہ فعل لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے ۔ اسی لیے بعض نے " روشنی دینا " اور بعض نے " روشن ہونا " کا مفہوم لیا ہے ۔ اس مادہ (ضوء) سے استعمال ہونے والے افعال اور ان کے معانی پر البقرہ : ۱۷ [۲ : ۱۳ : ۱ (۵)] میں بحث ہو چکی ہے ۔

[لَهُمْ] یہ " لام " (جو دراصل " لِ " تھی مگر ضمیر سے پہلے آنے کی وجہ سے مفتوح آئی ہے اور جس کے معنی " کے لیے " ہیں) + هُمْ (ضمیر مجرور بمعنی " اُن ") کا مرکب ہے ۔ اس طرح " لَهُمْ " کا لفظی ترجمہ تو " ان کے لیے " بنتا ہے مگر اردو محاورہ کے اعتبار سے اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ " ان پر " کیا ہے ۔ بعض نے " ان کو " یا " ان کے آگے " بھی کیا ہے ۔ جب کہ بعض نے صرف فعل " اضاء " کا ترجمہ کرتے ہوئے " لَهُمْ " کا ترجمہ نظر انداز کر دیا ہے۔

۲ : ۱۵ : ۱ (۴) [مَشَوْا] کا مادہ " م ش ی " اور وزن اصلی " فَعَلُوْا " ہے ۔ اس کی اصلی شکل " مَشَيُوْا " تھی جس میں واو الجمع سے پہلے آنے والی " یاء " (اور " واو " ہو تو بھی) گرادی جاتی ہے اور اس (جانے والی " یاء ") کا ماقبل مفتوح ہونے کی صورت میں اس کی فتحہ (ـَـ) برقرار رہتی ہے اور یوں یہ لفظ " مَشَوْا " بن کر لکھا اور بولا جاتا ہے ۔ اور اس لفظ کی تعلیل ایک دوسرے طریقہ پر بھی بیان کی جا سکتی ہے کہ " مَشَيُوْا " میں یاء متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل جاتی ہے مگر اب دو ساکن (" الف " اور " ی ") اکٹھے ہونے کے باعث الف گرا دیا جاتا ہے مگر " و " کو برقرار رکھا جاتا ہے کیونکہ وہ صیغہ جمع کی علامت ہے یعنی الجبرا کی زبان میں " مَشَيُوْا = مَشَاوْا = مَشَوْا ہے ۔

● اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " مَشٰی يَمْشِي مَشْيًا " (باب ضرب سے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتا ہے اور اس کے معروف اور بنیادی معنی (کیونکہ یہ بعض دیگر معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے) "پیدل چلنا" ہیں۔ اردو میں اس کا عام ترجمہ صرف "چلنا" ہی کرلیا جاتا ہے۔ مگر کہیں کہیں حسبِ موقع اس کا ترجمہ "چلنا پھرنا"، "چلتے رہنا"، "چلتے چلے جانا" (چلنا جاری رکھنا) کے ساتھ بھی کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل ثلاثی مجرد سے ماضی، مضارع، امر اور نہی وغیرہ افعال کے بائیس ۲۲ مختلف صیغے اور مصدر یا اسماء مشتقہ کے بھی دو ایک صیغے آئے ہیں۔

"مَشَوْا" اس مادہ کے فعل ثلاثی مجرد سے ماضی کا صیغۂ جمع مذکر غائب ہے۔ اور اس کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "وہ چلے یا چلتے گئے" لیکن یہاں سے (کلّما.....) کا جوابِ شرط شروع ہوتا ہے اس لیے یہاں بھی فعل ماضی کی بجائے "حال" سے ترجمہ ہوگا۔ اور شروع میں "تو" بھی لگے گا۔ چنانچہ اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ "چلنے لگتے ہیں"، "تو چل لیتے ہیں"، "تو چلتے ہیں"، "تو چل پڑتے ہیں" کی صورت میں ہی کیا ہے اگرچہ بعض نے فعل ماضی کے ساتھ ہی "چلے"، "چلنا شروع کیا" کی صورت میں بھی ترجمہ کیا ہے۔

[فِیْهِ] اس مرکّب جارّی (فی + ہ) کے ترجمہ وغیرہ پر ۲:۱:۱(۵) میں بات ہو چکی ہے یہاں اس کا ترجمہ تو "اس میں" ہی بنتا ہے مگر ضمیر (ہ) کے فعل "اضاء" سے متعلق ہونے کے باعث اکثر نے اس کا ترجمہ "اس کی روشنی میں"، "اس کے چاندنے میں" کے ساتھ کیا ہے جو اصل الفاظ سے ہٹ کر ہے۔ اگرچہ بامحاورہ ضرور ہے۔

[وَاِذَا] کا ترجمہ ہے "اور جب" یا "جس وقت" ۔۔۔ یعنی "وَ" تو یہاں عطف کے لیے ہے۔ اور "اذا" کے معانی و استعمال پر البقرہ: ۱۱ [۲:۹:۱(۱)] میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

۲:۱۵:۱(۵) [اَظْلَمَ] کا مادہ "ظ ل م" اور وزن "اَفْعَلَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد ظلَم ...... یَظلِمُ ظُلْمًا (باب ضرب سے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتا ہے اور یہ زیادہ تر بطور فعل متعدی (بغیر صلہ کے) استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بنیادی معنی تو ہیں " کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا " پھر اس سے اس میں " ...... پر ظلم کرنا ‘ ...... کی حق تلفی کرنا ‘ ...... سے بے انصافی کرنا ‘ ..... میں کمی کرنا ‘ کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فعل ایک مفعول کے ساتھ بھی آتا ہے اور دو مفعول کے ساتھ بھی مثلاً کہتے ہیں " ظَلَمَہٗ (اس نے اس پر ظلم کیا) اور " ظلمہ حقّہ " (اس نے اس کے حق میں کمی کی)۔ اور ’بِ‘ کے صلہ کیساتھ اس کے معنی کفر کرنا بھی ہوتے ہیں یعنی ظَلَم بِ ...... = کفر بِ...... اور کبھی اس کا ترجمہ فعل لازم کی طرح " ظالم ہونا یا بننا ‘ کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ نیز دیکھئے البقرہ : ۱۷ [۲ : ۱۳ : ۱ (۱۰)]

● زیر مطالعہ لفظ (اَظْلَمَ) اس مادہ (ظلم) سے بابِ اِفعال کا فعل ماضی صیغہ واحد غائب مذکر ہے۔ اس باب سے فعل " اَظْلَمَ یُظْلِمُ اِظْلَامًا "۔ متعدّی اور لازم دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی "..... اندھیرا کر دینا ‘ ..... کو تاریک بنا دینا " بھی ہوتے ہیں اور " اندھیرا ہونا ، تاریک ہو جانا " بھی۔ اور متعدی ہو تو مفعول بنفسہٖ کے ساتھ بھی آتا ہے مثلاً " اظلمَ البیتَ " (اس نے گھر میں اندھیرا کر دیا) اور " اظلم اللّٰہُ اللیلَ " (اللہ نے رات کو تاریک کر دیا) اور کبھی " علی " کے صلہ کے ساتھ بھی آتا ہے مثلاً " اَظْلَمَ علیہِ اللیلُ " (رات نے ان پر اندھیرا کر دیا) ـــــ اور بطور فعل لازم (سیاہ ہونا ، تاریک ہونا کے معنی میں) اس کا فاعل عموماً اللیلُ یا الشَّعْرُ (بال) یا البحرُ (سمندر) آتا ہے مثلاً " اظلم اللیلُ (رات سیاہ یا تاریک ہو گئی)۔ وغیرہ۔

● یہاں آیتِ زیر مطالعہ میں " اذا " شرطیہ کے بعد آنے کی وجہ سے فعل ماضی " اَظْلَمَ " کا ترجمہ فعل حال سے کیا جانا چاہئے۔ اور بیشتر مترجمین نے یہاں اس کا ترجمہ فعل متعدی کی بجائے فعل لازم سے کیا ہے یعنی " اندھیرا ہوتا ہے " ، " اندھیرا ہو جاتا ہے " ، " اندھیرا چھا جاتا ہے "۔ اگرچہ بعض نے فعل ماضی کے ساتھ بھی ترجمہ کیا ہے یعنی " اندھیرا پڑا " ، " تاریکی ہوئی " ، " اندھیرا چھا گیا "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صورت ہیں۔ ایک آدھ نے بطور فعل متعدی " اندھیرا کرتی ہے " سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ سب ترجمے یکساں اور ہم معنی ہیں۔ بس کسی میں ذرا محاورے کا زور زیادہ ہے کسی میں ذرا کم۔

[عَلَيۡهِمۡ] اس مرکب جاری (علی + ھم) کے معنی وغیرہ کے بارے میں ۱:۶:۱ (۳) اور ۱:۶:۱ (۵) میں بھی بات ہو چکی ہے۔ مذکورہ دونوں مقامات کی طرح یہاں بھی " علی " فعل (اظلم) کے صلے کے طور پر آیا ہے جس کا اردو ترجمہ " ان پر " ہی ہے چاہے فعل بطور لازم سمجھا جائے یا بطور متعدی ـــ یہ لفظی ترجمہ دونوں صورتوں میں " فِٹ " ہو جاتا ہے۔

۲:۱۵:۱ (۶) [قَامُوۡا] کا مادہ " ق و م " اور وزن اصلی " فَعَلُوا " ہے۔ شکلِ اصلی " قَوَمُوۡا " تھی جس میں " واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے یعنی اب اس کا وزن " فالُوا " رہ گیا ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد کے باب، معنی اور استعمال کے بارے میں الفاتحہ : ۶ کے ضمن میں ۱:۵:۱ (۴) پر بات ہو چکی ہے۔

● زیرِ مطالعہ لفظ (قاموا) ثلاثی مجرد کا فعل ماضی صیغۂ جمع مذکر غائب ہے۔ جوابِ شرط ہونے کے باعث یہاں بھی اس فعل کا ترجمہ ماضی کی بجائے حال سے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ بعض مترجمین نے " کھڑے رہ جاتے ہیں " اور " کھڑے ہو جاتے ہیں " سے ہی ترجمہ کیا ہے جب کہ بعض نے اصل فعل ماضی کے ساتھ ہی " کھڑے رہ گئے " سے ترجمہ کیا ہے اور بعض نے اردو محاورے کا خیال رکھتے ہوئے صرف " کھڑے " کی بجائے " کھڑے کے کھڑے " کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

۲:۱۵:۱ (۷) [وَلَوۡ] کی " واو " (وَ) عاطفہ (بمعنی " اَور ") ہے اور " لَوۡ " شرطیہ (بمعنی " اگر ") ہے۔ اس طرح " وَلَوۡ " کا ترجمہ " اور اگر " ہی ہوگا۔ کبھی حسب موقع " وَلَوۡ " کا ترجمہ " اگرچہ " بھی ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● "لَوْ" حرفِ تقدیر ہے یعنی اس کے ذریعے کوئی اندازہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور (۱) بنیادی طور پر تو یہ حرفِ شرط کا کام دیتا ہے مگر بلحاظ مفہوم یہ کبھی "تمنّی" (خواہش اور تمنا کا اظہار)، کبھی "مصدریت" (یعنی "أَنْ" کی طرح بعد والے فعل کو مصدر کے معنی دینا) اور کبھی "امتناع" (ایک چیز (شرط) کے نہ پائے جانے کو دوسری چیز (جوابِ شرط) کے بھی نہ ہونے کا سبب ٹھیرانا) کے معنی دیتا ہے (۲) شرطیہ ہوتے ہوئے بھی یہ "إِنْ" کی طرح فعل کو جزم نہیں دیتا اور اس کے جوابِ شرط پر عموماً لام (لَ) آتا ہے۔ اگرچہ کبھی نہیں بھی آتا اور عموماً یہ زمانۂ ماضی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے بلکہ اگر مضارع کے ساتھ آئے تو عموماً اس میں بھی زمانۂ ماضی کے معنی پیدا کرتا ہے (۳) کبھی یہ تقلیل (کسی چیز کی تھوڑی مقدار یا تعداد کی طرف اشارہ کرنا) کے معنی بھی دیتا ہے۔ اس صورت میں اس کے لیے کسی جوابِ شرط کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس کا اپنے سے پہلے مضمون کے ساتھ تعلق ہوتا ہے (۴) کبھی اس کے بعد "لا" یا "ما" لگتا ہے یعنی "لَوْلَا" یا "لَوْمَا" — اس وقت اس میں عموماً "کیوں نہیں"، "ایسا کیوں نہ ہوا" یا "اگر ایسا نہ ہوتا" کا مفہوم ہوتا ہے۔

● "لَوْ" کے ان مختلف استعمالات کو سامنے رکھتے ہوئے (جن پر لغت اور نحو کی کتابوں میں بعض دفعہ زیادہ مفصّل بحث بھی کی گئی ہے) اردو میں اس کا ترجمہ حسب موقع (۱) "اگر" (۲) اگرچہ (۳) کاش کہ (۴) چاہیے ..... (رہی سہی) (۵) "کہ" یا "یہ کہ" سے کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں "لَوْ" کے یہ تمام استعمالات آئے ہیں۔ آیتِ زیرِ مطالعہ میں "وَلَوْ" کا ترجمہ "اور اگر" سے ہی ہوگا۔ یہاں اس میں شرط کے ساتھ امتناع کے معنی بھی موجود ہیں۔

۲ : ۱۵ : ۱ (۸) [شَاءَ] کا مادہ "ش ی ء" اور وزن اصلی "فَعِلَ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "شَيِئَ" تھی جس میں "یاء متحرکہ ماقبل مفتوح" الف میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے۔ یوں یہ لفظ "شَاءَ" بنتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " شَاءَ ...... یَشَاءُ شَیْئًا وَ مَشِیْئَۃً " (دراصل شَیِئَ یَشْیَأُ - باب سمع سے مثل خاف یخاف) آتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں "...... کا ارادہ کرنا ، ..... کو چاہنا " عموماً اس کا مفعول محذوف ہوتا ہے اور یہ صرف اپنے فاعل (ضمیر ہو یا اسم ظاہر) کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے ۔ کم از کم قرآن کریم میں ہر جگہ بحذف مفعول ہی آیا ہے سوائے ایک دو مقامات کے جہاں اس کا مفعول " أَن " سے شروع ہونے والا کوئی (مصدر مؤوّل کے معنی میں) جملہ آیا ہے (مثلاً الفرقان : ۵۷ ، المدثر : ۲۷ اور التکویر : ۲۸ میں)۔ قرآن کریم میں اس مادہ سے فعل صرف ثلاثی مجرد ہی استعمال ہوا ہے جس سے ماضی مضارع وغیرہ کے مختلف صیغے ۲۳۶ جگہ آئے ہیں ۔

[اللّٰهُ] اسم جلالت کے مادہ واشتقاق وغیرہ کی بحث " بسم اللہ " ۱ : ۱ : ۱ (۲) میں ہو چکی ہے ۔

۲ : ۱۵ : ۱ (۹) [لَـذَهَبَ] کے شروع میں جو لام (ل) ہے یہ جواب شرط کے طور پر (" وَلَوْ " ـــ " اور اگر " کے جواب پر) آئی ہے جس کا اردو ترجمہ " تو " یا " تو ضرور ہی " سے کیا جا سکتا ہے ۔ اور " ذَهَبَ " کا مادہ " ذ ھ ب " اور وزن " فَعَلَ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " ذَھَبَ ..... یذھب ذھاباً " (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی " جانا ، چلے جانا ، جاتے رہنا " ہیں ۔ یہ فعل لازم ہے ۔ اور اپنے فاعل کے لحاظ سے اور مختلف صلات (بِ ، عن ، فِی ، الی ، علی) کے ساتھ متعدد معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی آئے ہیں (خصوصاً " بِ " اور " الی " کے ساتھ) جب اس فعل کے ساتھ باء (بِ) کا صلہ آئے تو یہ فعل متعدی ہو جاتا ہے ۔ یعنی " ذَھَبَ بِ ..... " کے معنی ہیں : "..... کو لے جانا " اور پھر محاورے میں اس (لے جانا) کے معنی "..... کو ختم کرنا ، سلب کر لینا ، زائل کر دینا " ہوتے ہیں ۔ نیز دیکھیے : ۲ : ۱۳ : ۱ (۸) ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ] شروع کی باء (بِ) تو مذکورہ بالا فعل " ذَهَبَ " کے صلہ کے طور پر آئی ہے جس سے فعل میں تعدیہ کے معنی پیدا ہوئے ہیں (یعنی " لے جانا ، سلب کر لینا ") جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے۔ اور " سَمْعِهِمْ " اور " اَبْصَارِهِمْ " پر البقرہ : ۷ [۲ : ۶ : ۱ (۳) اور (۴)] میں مفصّل بحث گزر چکی ہے۔

● یہاں بھی (البقرہ : ۷ کی طرح) " سَمْعٌ " بمعنیٔ قوتِ شنوائی (سننے کی حِس) اور " ابصار " (جس کا مفرد " بَصَرٌ " ہے) بمعنیٔ بینائی (دیکھنے کی حِس) استعمال ہوا ہے۔ اس لیے بیشتر مترجمین نے اس کا ترجمہ " ان کے کان اور ان کی آنکھیں " کیا ہے۔ بعض نے " گوش و چشم " سے ترجمہ کیا ہے جو فارسی کے لفظ ہیں مگر اردو ۔۔ خصوصاً ادبی اردو ۔۔ میں مستعمل ہیں۔ بعض نے " سننے دیکھنے کی قوتیں " اور بعض حضرات نے مزید وضاحت کے لیے " کانوں کی شنوائی اور آنکھوں کی بینائی " کے ساتھ ترجمہ کیا ہے کیونکہ وہ قوت ہی سلب ہوئی۔ کان اور آنکھ (اعضاء) تو برقرار رہے وہ تو غائب نہیں ہوئے۔

[اِنَّ اللّٰهَ] " اِنَّ " حرف مشبہ بالفعل ہے جس کا ترجمہ " بے شک " ، " بلاشبہ " ، " یقیناً " ، " تحقیق " سے کیا جاتا ہے۔ اسم جلالت (اللہ) کی وضاحت " بسم اللہ " میں گزر چکی ہے۔

۲ : ۱۵ : ۱ (۱۰) [عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ] یہ مرکب جاری تین کلمات " علی " ، " کُلّ " اور " شیٔ " پر مشتمل ہے۔ ہر ایک کلمہ کے معنی کی تفصیل یوں ہے۔

● " علی " حرف الجر ہے جس کا عام ترجمہ " پر " ، " کے اوپر " کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مزید معانی اور استعمالات پر الفاتحہ : ۷ یعنی ۱ : ۶ : ۱ (۲) میں بات ہو چکی ہے۔

● " كُلّ " کا مادہ " ک ل ل " اور وزن (بحالت رفع) " فَعْلٌ " ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " كَلَّ يَكِلُّ كَلًّا " (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے متعدد معنی ہیں مثلاً (۱) " تھک جانا ، عاجز ہونا " (۲) (تلوار یا چھری کا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کند ہونا"۔ (۳) "(زبان یا نظر کا) ٹھیک کام نہ کرنا" اور (۴) "اولاد اور والدین سے محروم ہونا"۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی فعل کا کوئی صیغہ استعمال نہیں ہُوا۔ البتہ ثلاثی مجرد کے مذکورہ بالا معنی سے مأخوذ دو لفظ "کَلٌّ" (النحل : ۷۶) اور "کَلَالَۃٌ" (النساء : ۱۲، ۱۷۶) آئے ہیں جن پر اپنی جگہ بات ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● لفظ "کُلٌّ" اگرچہ اسی مادہ (کلل) سے ماخوذ ایک اسمِ جامد ہے تاہم اس کے معنی کا اس مادہ سے مستعمل کسی بھی فعل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں (عربی زبان میں یہ مادہ ثلاثی مجرد کے علاوہ مزید فیہ کے مختلف ابواب مثلاً تفعیل، تفعل، انفعال وغیرہ سے مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے)

● اس لفظ (کُلٌّ) کے بنیادی معنی "استغراق" کے ہیں یعنی اس میں "سب کا سب"، "پورے کا پورا" یا صرف "سب....."، "تمام....."، "ہر ایک ....." کا مفہوم ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ اکثر مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کا مضاف الیہ اس کے معنی متعین کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اس کے ساتھ مضاف الیہ نہیں ہوتا تب بھی اسے مقدر (UNDERSTOOD) سمجھا جاتا ہے — اس کا مضاف الیہ عموماً "واحد نکرہ" آتا ہے جیسے "کُلُّ رَجُلٍ" (ہر ایک مرد یا سب مرد) یا جیسے یہاں "کُلِّ شَیْءٍ" بمعنی "ہر ایک چیز" آیا ہے — اور اگر اس کا مضاف الیہ معرفہ ہو تو پھر اس مضاف الیہ کا "سب کچھ" مراد ہوتا ہے جیسے "کُلُّ الرجُلِ" (آدمی کا سب کچھ) یا "کُلُّ الکتابِ" (پوری کی پوری کتاب)۔

● یہ لفظ (کُلٌّ) توکید (تاکید) معنوی (جو توابع کی ایک قسم ہے) کے چھ مشہور کلمات [کُلٌّ، نفس، عینٌ، کِلَا، کِلْتا اور جمیعٌ] میں سے بھی ایک ہے اور اس صورت میں اس کے ساتھ "مؤکد" کے مطابق ایک ضمیر آتی ہے۔ جیسے "جاء الرجالُ کُلُّھُمْ" یا "جاءتِ النساءُ کُلُّھُنَّ" وغیرہ میں۔ اس لفظ "کُلٌّ" کے استعمال کے مختلف قواعد نحو کی کسی کتاب میں توابع کے بیان میں — یا کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھی عربی ڈکشنری (معجم) میں اسی لفظ (کلّ) کے تحت دیکھے جا سکتے ہیں ــــ (اور اگر مستحضر (یاد) نہیں تو ضرور دیکھ لینا چاہئیے) ۔

اور لفظ "شَیْءٍ" کا مادہ "ش ی ء" اور وزن "فَعْلٌ" ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد کے بارے میں ابھی اوپر "ولوشاء اللّٰہ" کے ضمن میں بات ہو چکی ہے ۔ یہ لفظ (شیء) اس مادہ (ش ی ء) سے ماخوذ ایک اسم جامد ہے ۔ اس کا اردو ہم معنی لفظ "چیز" اور انگریزی "Thing" ہے ۔ اور اس کا اطلاق وجود رکھنے والی ہر "چیز" پر ہوتا ہے ۔ وہ کوئی شخص ہو یا کوئی بات یا کچھ اور ۔ یہ لفظ قرآن کریم میں ۲۷۹ مرتبہ آیا ہے ۔

۲:۱۵:۱ (۱۱) [قَدِيْرٌ] کا مادہ "ق د ر" اور وزن "فَعِيْلٌ" ہے ۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد "قدَرَ ...... یَقْدِرُ قَدْرًا (باب ضرب سے) ہمیشہ بطور فعل متعدی اور عموماً مفعول بنفسہ کے ساتھ آتا ہے اور اس کے معنی "...... کا اندازہ کرنا"، "...... کی قدر اور تعظیم کرنا" اور "...... میں کمی کرنا" ہوتے ہیں ــ اور اگر اس کے ساتھ "علی" کا صلہ آئے (یعنی قَدَرَ علی ......) تو اس کے معنی "...... پر قدرت رکھنا"، "...... پر قابو پانا" یا "...... پہ قادر ہونا" ہوتے ہیں ــــ لفظ "قَدِیْرٌ" اس آخری (علی کے صلہ والے) فعل سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں "ہر وقت اور ہر طرح کی قدرت رکھنے والا" ــــ قرآن کریم میں اس مادہ (قدر) سے ثلاثی مجرد اور مزید فیہ کے باب تفعیل سے مختلف معنوں کے لیے افعال کے صیغے ۱۲ جگہ اور مختلف جامد و مشتق اسماء ۹۱ جگہ آئے ہیں اور خود یہ لفظ "قدیر" ۴۵ دفعہ آیا ہے ۔

۲:۱۵:۲ الإعراب

یکاد البرق یخطف ابصارھم ط کلما اضاء لھم مشوا فیہ ۔ واذا اظلم علیھم قاموا ۔ ولو شاء اللہ لذھب بسمعھم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابصارھم ط ان اللہ علی کل شیء قدیر ⑳

یہ آیت بنیادی طور پر پانچ جملوں پر مشتمل ہے جن میں سے دو جملے واو عاطفہ کے ذریعے مل کر ایک لمبا جملہ بھی بن سکتے ہیں۔ باقی جملے الگ الگ ہیں اس لیے ان کے درمیان وقف مطلق " ط " کی علامت لکھی جاتی ہے۔ اعراب کی تفصیل یوں ہے:

● [یکاد] فعل مضارع ہے اور فعل مُقارب بھی ہے۔ [البرقُ] فعل " یکادُ " کا اسم ہے اور (لہذا) مرفوع ہے اور [یخطف] فعل مضارع کا صیغہ ہے جس میں ضمیر فاعل " ھُو " مستتر ہے جو " البرق " کے لیے ہے۔ اور یہ (یخطف) " یکاد " کی خبر ہے (افعال مقاربہ کی " خبر " ہمیشہ کوئی فعل مضارع ہوتا ہے) جملے کے یہاں تک کے حصے (جو فعل مقارب اور اس کے اسم و خبر پر مشتمل ہے) یعنی " یکاد البرق یخطف " کے لفظی اور بامحاورہ تراجم ابھی اوپر ۲ : ۱۵ : ۱ (۲) میں بیان ہو چکے ہیں۔

[ابصارَھم] مضاف (ابصار) اور مضاف الیہ (ھم) مل کر فعل " یخطف " کا مفعول بہ ہے اس لیے " ابصار " منصوب ہے اور اس کی علامت نصب " ر " کی فتحہ (ـَ) ہے (اور مضاف ہونے کی وجہ سے " ابصار " خفیف بھی ہے)۔ لفظ " ابصار " کے مختلف تراجم بھی اوپر حصہ " لغۃ " میں بیان ہو چکے ہیں۔

● [کُلَّمَا] ظرف زمان ہونے کی بناء پر منصوب ہے علامت نصب اس میں لام کی فتحہ (ـَ) ہے۔ اور اس میں شرط کے معنی (جب بھی) بھی ہیں۔

[اَضَاءَ] فعل ماضی معروف ہے جس میں ضمیر فاعل " ھو " مستتر ہے جس کا مرجع " البرق " ہے۔ یہ فعل لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی۔ اگر یہاں اسے متعدی سمجھیں تو اس کا مفعول محذوف ہے۔ [لَھُمْ] جار (لِ) اور مجرور (ھم) مل کر متعلق فعل (اَضاءَ) ہے اور یہ جملہ فعلیہ (اضاء لھم) بیانِ شرط ہے۔ اسی لیے اس کا ترجمہ فعل ماضی کی بجائے حال سے کرنا مناسب ہے (دیکھیے اوپر حصہ " اللغۃ ") [مَشَوْا] فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضمیرِ فاعلین "هم" مستتر ہے [فِیہ] جار (فی) مجرور (ہ) متعلق فعل ہے اور یہ پورا جملہ فعلیہ (مَشَوا فیہ) جواب شرط ہے اس لیے اس کا اردو ترجمہ "تو نے سے شروع ہوگا۔ اور شرط کی وجہ سے ماضی کی بجائے فعل حال سے ترجمہ زیادہ مناسب ہوگا (دیکھیے اوپر ۲:۱۵:۱(۴) میں)۔ یہاں تک شرط اور جوابِ شرط مل کر ایک جملہ شرطیہ مکمل ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ اس جملہ کی شرط اور جوابِ شرط میں کوئی فعل مجزوم نہیں ہوا۔ اس لیے کہ مجزوم تو صرف فعل مضارع ہوتا ہے جب کہ "کلّما" کے بعد شرط اور جوابِ شرط کے فعل ہمیشہ بصیغۂ ماضی آتے ہیں اگرچہ بوجہ شرط ان میں مفہوم فعل حال کا پیدا ہو جاتا ہے۔

● [وَاِذا] "وَ" عاطفہ ہے اور "اذا" ظرفیہ ہے جس میں وقت اور شرط کا مفہوم ہے (یعنی جب، جس وقت) [اظلم] فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس میں ضمیر فاعل "ھو" مستتر ہے۔ یہ فعل بھی لازم متعدی دونوں طرح ہے اگر اسے یہاں متعدی سمجھیں تو اس کا بھی مفعول محذوف ہے۔ اسی لئے اس کا ترجمہ دونوں طرح کیا گیا ہے (دیکھئے اوپر حصہ "لغۃ" میں ۲:۱۵:۱(۵))۔ [علیھم] جار مجرور متعلق فعل (اظلَم) ہے اور یہ جملہ (اَظلَم علیھم) بیانِ شرط ہے۔ [قاموا] فعل ماضی معروف مع فاعل (ضمیر مستتر "ھو") مکمل جملہ فعلیہ ہے اور یہی جوابِ شرط ہے اردو میں اس کا ترجمہ بھی "تو" سے شروع ہوگا اور یہاں بھی فعل ماضی کا ترجمہ اذا شرطیہ کے جواب ہونے کی وجہ سے فعلِ حال میں ہوگا۔ اس لیے کہ شرط ماضی کے زمانہ پر نہیں ہوتی۔ اس کا ترجمہ دیکھیے ۲:۱۵:۱(۶) میں ــــ یہ جملہ شرطیہ (واذا اظلم علیھم قاموا) سابقہ جملہ شرطیہ (کلما اضاء لھم مشوا فیہ) کے ساتھ واو عاطفہ (وَ) کے ذریعے مل کر ایک مسلسل جملہ (بلحاظ مضمون) بنتا ہے۔

● [وَلَوْ] میں واو استینافیہ ہے یعنی یہاں سے ایک نیا جملہ شروع ہوتا ہے۔ اس کا بلحاظ معنی پہلے جملے سے عطف کا تعلق نہیں بن سکتا۔ اگرچہ اردو ترجمہ واو الاستیناف کا بھی واو العطف کی طرح "اور" سے ہی کیا جاتا ہے مگر اصل فرق مفہوم کا ہوتا ہے یعنی واو الاستیناف میں دراصل "اور پھر یہ بھی تو ہے کہ" کا مفہوم موجود ہوتا ہے۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لَوْ" شرطیہ ہے (بمعنیٰ "اگر") ۔ [شاءَ] فعل ماضی اور [اللّٰہُ] اس کا فاعل (لہذا) مرفوع ہے۔ علامتِ رفع آخری "ہ" کا ضمہ (ـُ) ہے۔ اور یہ جملہ فعلیہ (شاءَ اللّٰہُ) بیانِ شرط ہے۔ [لَذَھَبَ] میں لام (لَ) جوابِ شرط (یعنی "لَوْ" کے جواب میں) ہے جس کا ترجمہ "تو" سے ہوگا۔ اور "ذَھَبَ" فعل ماضی مع ضمیر فاعل مستتر "ھو" ہے جس کا مرجع اسم جلالت ہے۔ [بِسَمْعِھِمْ] میں باء (بِ) تو دراصل فعل (ذَھَبَ) کا صلہ ہے اور "سَمْعِھِمْ" میں "سمع" مضاف اور ضمیر مجرور "ھم" مضاف الیہ ہے اور یہ مرکب اضافی "بِ" کی وجہ سے مجرور ہے جس کی علامت جر "سمع" کی "عین" کی حرکت کسرہ (ـِ) ہے اور یہ مرکب جاری (بِسَمْعِھِمْ) فعل "ذھب" کا مفعول بہ ہونے کے لحاظ سے محلاً منصوب ہے۔ اور [وَاَبْصَارِھِمْ] کا "اَبْصَارِھِمْ" بھی مضاف (اَبْصَار) اور مضاف الیہ (ھم) مل کر "وَ" کے ذریعے "بِسَمْعِھِمْ" پر عطف ہے اس لیے "ابصار" بھی مجرور ہے اور اس کی علامت جر "ر" کی حرکتِ کسرہ (ـِ) ہے۔ اگرچہ "لَوْ" کے بعد آنے والے فعل کا ترجمہ "فعل ماضی" سے ہی کیا جاتا ہے تاہم معنیٔ شرط کی بناء پر اس کا ترجمہ زمانۂ حال کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ مترجمین نے دونوں طرح ترجمہ کیا ہے یعنی "اللہ چاہے تو لے جائے" اور "اللہ چاہتا تو لے جاتا" کی صورت میں۔ یہاں تک شرط اور جوابِ شرط مل کر یہ سب (ولو شاء اللّٰہ لذھب بسمعھم وابصارھم) ایک پورا جملہ شرطیہ متانفہ (الگ) بنتا ہے۔

● [اِنَّ] حرف مشبہ بالفعل ہے اور [اللّٰہَ] اس کا اسم منصوب ہے۔ علامتِ نصب آخری "ہ" کی حرکت فتحہ (ـَ) ہے [علی] حرف الجر ہے اور [کُلِّ شَیْءٍ] مرکب اضافی ہے جس میں "کُلِّ" مضاف ہے جو "علی" کی وجہ سے مجرور ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے خفیف بھی ہے اور "شَیْءٍ" مضاف الیہ (لہذا) مجرور ہے۔ علامتِ جر "کُلِّ" میں لام کی حرکت کسرہ (ـِ) اور "شَیْءٍ" میں آخری ہمزہ (ء) کے نیچے والی دو "زیریں" ہیں جن کو نحو کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان میں کہتے ہیں " تنوین الجر" ہیں ۔ [قَـدِيرٌ] "اِنّ" کی خبر (لهذا) مرفوع ہے ۔ اس سے پہلے والا مرکب جارّی (على كل شيئ پر) دراصل متعلق خبر ہے جسے یہاں آیت کے " فاصلے" کی رعایت سے مقدم کر دیا گیا ہے یعنی اس کی عام عربی نثر (PARAPHRASING) تھی ۔ " ان الله قـديـر على كل شيئ!"
ہم پہلے بھی کہیں یہ بیان کر چکے ہیں کہ عبارت میں " ادبی حسن" پیدا کرنے کے لیے شعر کی طرح الفاظ کی اس قسم کی تقدیم و تاخیر قرآن کریم میں عام ہے ۔ اور غالباً اسی کی بناء پر کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو " شاعر" اور قرآن کو شاعری (شعر) کہتے تھے ۔ اگرچہ اصطلاحی اور فنی اعتبار سے اس میں شعر والی کوئی شے نہیں ۔ قرآن اور "شعر" میں اگر کوئی قدر مشترک ہے تو وہ "ادبی حُسن" ہے ۔ اور اس میں بھی قرآن کریم کا درجہ شعر ہی نہیں، " ادبِ عالیہ" کے ہر نمونے سے بڑھ کر ہے ۔

۲:۱۵:۳ الرسم

آیت زیرِ مطالعہ کے تمام کلمات کی املاء (رسمِ املائی اور رسمِ عثمانی) یکساں ہے ۔ صرف دو کلمات " ابصـارهم " (جو آیت میں دو دفعہ آیا ہے) اور " كلَّما " قابل ذکر ہیں :

(۱) " ابصـارهم " میں رسم کے اختلاف اور اس کے اسباب پر اس سے پہلے البقرہ : ۷ کے ضمن میں ۲:۶:۳ پر مفصل بحث ہو چکی ہے جس کا تعلق اس کلمہ میں حذف یا اثباتِ الف (بعد الصاد) کے ساتھ یعنی " ابصارهم " یا " ابصرهم " کی صورت میں لکھنے سے ہے ۔ بہرحال اس (ابصارهم) کا رسم مختلف فیہ ہے ۔ اہلِ لیبیا " الدانی " کی عدم تصریح کی بناء پر اسے باثباتِ الف لکھتے ہیں اور تمام مشرقی ممالک کا تعامل بھی یہی ہے ۔ عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں ابوداؤد کی تصریح کی بناء پر اسے بحذف الف لکھا جاتا ہے ۔

(۲) " كلَّما " قرآن کریم میں کل ۱۷ جگہ آیا ہے ان میں سے ۱۳ جگہوں پر اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالاتفاق موصول یعنی " کل " اور " ما " کو ملاکر (کلّما) لکھا جاتا ہے اور چار مقامات پر اس کو مقطوع (الگ الگ یعنی " کل ما ") یا موصول (کلما) لکھنے میں اختلاف ہے۔ ان مقامات پر اس کلمہ کے رسم پر بات کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ بات قابل ذکر ہے کہ آیت زیر مطالعہ ان مقامات میں سے ہے جہاں "کلّما" کو موصول (ملاکر) لکھنے پر اتفاق ہے۔

۲ : ۱۵ : ۴ الضبط

زیر مطالعہ آیت کے کلمات میں ضبط کے اتفاق یا اختلاف کو درج ذیل نمونوں کی مدد سے سمجھا جا سکتا ہے :-

يَكَادُ ، يَكَادُ ، يَكَادُ / الْبَرْقُ ، اَلْبَرْقُ ، اَلْبَرْقُ

يَخْطَفُ ، يَخْطَفُ / اَبْصَارَهُمْ ، اَبْصَارَهُمْ ، أَبْصَرَهُمْ (بحذف الف)

كُلَّمَا ، كُلَّمَا / اَضَاءَ ، اَضَاءَ ، أَضَاءَ ، أَضَاءَ

لَهُمْ ، لَهُمْ / مَشَوْا ، مَشَوْا ، مَشَوْا

فِيهِ ، فِيهِ ، فِيهِ ، فِيهِ / وَاِذَا ، اِذَا ، إِذَا ، إِذَا

اَظْلَمَ ، أَظْلَمَ ، أَظْلَمَ / عَلَيْهِمْ ، عَلَيْهِمْ / قَامُوا

قَامُوا ، قَامُوا ، قَامُوا / وَلَوْ ، وَلَوْ / شَاءَ ، شَاءَ ، شَاءَ

اللّٰهُ ، اَللّٰهُ ، اَللّٰهُ ، اَللّٰهُ / لَذَهَبَ ، لَذَهَبَ

بِسَمْعِهِمْ ، بِسَمْعِهِمْ / وَاَبْصَارِهِمْ ، اَبْصَارِهِمْ ، أَبْصَرِهِمْ

اِنَّ ، اِنَّ ، إِنَّ / اللّٰهَ (مثل سابق) عَلٰى ، عَلٰى ، عَلَى ، عَلَى / كُلِّ ، كُلِّ

(باقی ص ۵۹ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر طاہر سعید کے نام

ڈاکٹر حافظ محمد مقصود (۱۰)

”اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے“

تخریب و بگاڑ کی اتھاہ گہرائیوں کو چھونے والے تہذیبِ جدید کے اس ”ویرانۂ آباد“ کی مضبوطی، استحکام اور ہمہ گیری کے متعلق ابلیس بڑے فخر اور طنطنے کے ساتھ پوری دنیا کو علی الاعلان چیلنج دے کر کہتا ہے کہ ؎

کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اِس تہذیب کے جام و سبُو

چنانچہ اب اگر کوئی خونِ گرم رکھنے والا مردِ خدامست جگر سوختہ اور دل گداختہ کے ساتھ اُٹھ کر قرآن و سنّت کی دعوت کو لے کر اس نظامِ باطل کو نیست و نابود کرنے اور اس کی جگہ نظامِ حق کو قائم اور غالب کرنے کا عزمِ مصمّم لے کر اٹھے گا وہ کسی قسم کے وقتی یا سیاسی ہنگاموں یا محض سطحی اصلاحی کاموں میں اُلجھ کر ہرگز اپنا وقت ضائع اور اپنی منزل کھوٹی نہیں کرے گا بلکہ ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال اور انقلابی جان نثاروں پر مشتمل ایک انقلابی جماعت بنائے گا تاکہ یہ انقلابی جماعت موجودہ ظالمانہ نظامِ باطل کے ساتھ ایک بھرپور اور فیصلہ کُن ٹکرّ لے کر آتش کدۂ دنیا کو ٹھنڈا اور تذکرۂ یزداں کو زندہ کر کے دلِ دلوانہ اور نعرۂ مستانہ کے ساتھ نقشِ توحید کو دِلوں پر بٹھا کر اور زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سُنا کر چشمِ فلک اور نگاہِ عالم کو ایک بار پھر بدر و اُحد کے نظارۂ دیرینہ کی یاد دلادے ؎

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مرحوم اُمّتِ مسلمہ کی ڈوبتی اور اُلٹتی ناؤ کو اس وقت کسی قدر سہارا دیا جب ظالمانہ نظامِ باطل کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ کر اس کی جگہ عادلانہ نظامِ حق کے غلبہ و قیام یا بفحوائے الفاظِ قرآنی ”اقامتِ دین“ کے جذبے اور ولولے سے دِلوں کو گرمانے اور روحوں کو تڑپانے کے لیے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالمِ اسلام کے اندر تجدیدی اور احیائی تحریکیں اُٹھیں۔ یہ تمام باطل قوتوں کے خلاف ایک شدید ردِّ عمل تھا۔ ان تحریکوں نے نسلی اور موروثی مسلمانوں کے خوابیدہ دلوں اور مُرجھائے ہوئے ضمیروں میں جذب و تڑپ پیدا کرنے، اُن کے ایمان و یقین کو جِلا بخشنے، مغربی اور سامراجی استعمار کے پیچ در پیچ سلاسل کو توڑ دینے اور امتِ مرحومہ کے بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلنے میں ایک عظیم الشان اور فیصلہ کُن کردار ادا کیا۔ نیز احساسِ زیاں دے کر اُنہیں بار بار جھنجھوڑا کہ اسلام صرف انفرادی زندگی میں عقیدہ، عبادات اور رسوم و رواج کا مسکین و محکوم مذہب نہیں، بلکہ سا تھ سا تھ سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ہائے حیات، بر مبنی دین ہے اور دین کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ اپنا مکمل غلبہ (COMPLETE DOMINATION) اور غیر مشروط حکمرانی (SOVEREIGNTY) چاہتا ہے۔ جھنجھوڑنے کا یہ ڈھنگ تو کسی نہ کسی درجے میں دوسرے اہلِ قلم مصلحین کے ہاں بھی ملتا ہے مگر اقبال نے غیرت و حمیت کی ولولہ انگیز صداؤں سے اُمّتِ مرحومہ کے بحرِ جذبات میں جس طرح اضطراب پیدا کیا وہ ان ہی کا حصّہ ہے ؎

مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید
جس کا یہ تصوّف ہو وہ اسلام کر ایجاد
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد!
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد!
قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا کر
چاہے تو خود اِک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکتِ ہند میں ایک طُرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد
مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

© rasailojaraid.com